© rasailojaraid.com

قاضی صاعد نے طبقات الامم میں جہاں منطق سے متعلق ان کے خیالات کی مخالفت کی ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ

"ابن حزم نے علوم شرعیہ کی بکثرت تحصیل کی اور وہ باتیں حاصل کیں جو ان سے پہلے اندلس میں کسی شخص کو حاصل نہیں ہوئیں۔"

ایک اور ہمعصر حافظ حمیدی (۴۲۰ھ تا ۴۸۸ھ) نے جو ابن حزم کے شاگرد بھی تھے، اپنی کتاب "جذوۃ المقتبس" میں لکھا ہے کہ "میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس میں ذکاوت حافظہ، کرم نفس اور تدین ابن حزم کی طرح جمع ہو گیا ہو۔ وہ اشعار فی البدیہہ کہتے تھے۔"

ابن حزم کے نصف صدی بعد مورخ ابن بشکوال نے ان کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا۔

"ابن حزم اہل اندلس میں سب سے زیادہ جامع العلوم تھے۔ علم اللسان، بلاغت، شعر، احادیث اور تاریخ میں وسیع علم رکھتے تھے اور علوم اسلامی میں نابغہ تھے۔" ابن حزم کے انتقال کے بعد ان کے مسلک کے خلاف متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں قاضی ابن العربی کی کتابوں کو خاص اہمیت حاصل ہے لیکن ابن حزم کے مسلک کے لئے بتدریج جگہ پیدا ہوتی گئی اور ان کی عظمت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

چنانچہ اندلس کے مشہور صوفی اور مفکر ابن عربی (۱۱۶۵ء تا ۱۲۴۰ء) ان کے مسلک پر تھے اور چھٹی صدی ہجری کے وسط سے ساتویں صدی ہجری کے وسط تک موحدین کی عظیم الشان سلطنت بڑی حد تک ان ہی کے اصولوں پر قائم تھی۔ چنانچہ اس خاندان کے سب سے ممتاز اور مشہور حکمراں یعقوب المنصور (۵۸۰ھ تا ۵۹۵ھ) نے ایک مرتبہ ان کی قبر کی زیارت کے موقع پر کہا۔

"تمام علماء کو مشکل موقع پر ابن حزم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔"

ابن حزم کی تصانیف کا بہت بڑا حصہ اب ناپید ہے۔ لیکن ان کی اہم تصانیف کی بیشتر تعداد اب بھی محفوظ ہے۔ اور کئی کتابیں زیور طبع سے آراستہ بھی ہو گئی ہیں۔ مطبوعہ کتابوں کے نام یہ ہیں۔

الاحکام لاصول الاحکام (دو جلد)، الاخلاق والسیر، الملل والنحل۔ المحلی۔ المجلی شرح المحلی (۸ جلد) الناسخ والمنسوخ۔ النبذ الکافیہ فی اصول احکام الدین۔ مکتب الاسلام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالمعارف مصر نے "جوامع السیرۃ" کے نام سے ابن حزم کی ایک کتاب شائع کی ہے جو ۳۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سعید افغانی نے دمشق سے ان کی ایک کتاب "رسالہ فی المفاضلہ بین الصحابہ" شائع کیا ہے۔ اس میں ابن حزم کی ۵۳ تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے اور ایک چالیس صفحات میں ابن حزم کے حالات لکھے گئے ہیں۔ ابن حزم ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار کا مجموعہ بھی "طوق الحمامہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ابن حزم کے حالات سے متعلق قاہرہ سے دو اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں ایک کتاب دکتور طہ حاجری کی ہے اور دوسری مشہور مصنف محمد ابوزہرہ کی ہے۔ اس کتاب کا نام "ابن حزم حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقہہ" (ابن حزم۔ ان کی زندگی، زمانہ، خیالات اور فقہ) ہے۔ یہ کتاب ۵۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

◎

"اگر تم امیرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو ایسا طریقہ اختیار کرو کہ اگر تمہارے پاس دولت نہ ہو تو غربت کی حالت میں زندگی بسر کرنے سے بھی تکلیف نہ ہو"

ابن حزم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سندھی کا مکتبِ فکر

محمد سرور

"مولانا عبیداللہ سندھیؒ جیسے مصلحین ملت کو بعض حلقوں میں احیاء پسند ماضی پرست کہا جاتا تھا ان حضرات کو شاید معلوم نہیں کہ عمل کے لئے ماحول اور اس کی ضرورتوں سے مفاہمت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جس طرح سطافت بے کثافت جلوہ پیدا نہیں کر سکتی، اسی طرح کوئی نصب العین جب تک کہ ماحول کے ساتھ اس کی مفاہمت نہ ہو، عملی پروگرام کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

اور ـــــ وہ اس لئے کہ ہر قوم کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے، جس طرح کہ ہر قوم کی اپنی خاص زبان ہوتی ہے اور جیسے اس قوم کو کوئی بات سمجھانے کے لئے اس کی زبان، اس کے اسلوب بیان اور اس کی ادبی روایات کو جاننا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح اس کو کسی عملی پروگرام پہ چلانے کے لئے اس کے مزاج اور اس کی تاریخی روایات کا خیال کرنا پڑتا ہے، اور جب تک کوئی پروگرام اس کے ذہن میں نہ اترے، اور جس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے مزاج کے مطابق ہو۔ اس وقت تک اس قوم میں عمل کا ولولہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

یہ تو "ارباب انقلاب" کا اعتراض تھا۔ اسی طرح "اربابِ دین" نے بھی مولانا سندھی پر اعتراض کئے ہیں۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے ایک دفعہ "معارف" میں یہاں تک لکھ دیا تھا کہ:

"مولانا سندھی کے افکار میں یہ چیز بُری طرح کھٹکتی ہے کہ وہ اسلام کا قلادہ بھی موجودہ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری نہیں سمجھتے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حضرات کا کہنا ہے کہ

> ہم بھی آخر کتاب و سنت کے عالم ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابیں ہم نے بھی پڑھی ہیں لیکن جو باتیں مولانا عبید اللہ سندھی صاحب کتاب و سنت کی انقلابی تعلیمات اور شاہ ولی اللہ کی انقلابی حکمت کے متعلق کہتے ہیں، وہ ہمیں تو ان کتابوں میں کہیں لکھی ہوئی نظر نہیں آتیں۔ آخر یہ معمہ کیا ہے؟

ان بزرگوں کو اس بات سے تو شاید انکار نہ ہوگا کہ مولانا بھی کتاب و سنت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور ان کی ساری زندگی قرآن مجید کے مطالعہ اور اس کے حقائق کو سمجھنے میں گزری اور اس راہ میں انہوں نے کبھی کسی جسمانی تکلیف، اور دماغی مشقت کی پرواہ کی۔ اور آپ کو اس کا بھی علم ہوگا کہ موصوف نے علم حدیث و فقہ کی تحقیق میں بھی زندگی کا ایک معتدبہ حصہ صرف کیا تھا۔ پھر فلسفہ و حکمت پر بھی وہ گہری نظر رکھتے تھے، اور تصوف کے تو وہ محض عالم نہ تھے۔ بلکہ انہوں نے بزرگوں کی صحبت میں رہ کر سلوک کی باقاعدہ منزلیں طے کی تھیں۔ اپنے بزرگوں اور استادوں کے ساتھ ان کی عقیدت اور وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ جس مرشد نے بچپن میں سب سے پہلے ان کو کلمہ توحید کی تلقین فرمائی تھی، زندگی کے آخری دنوں تک جب کبھی اس مرشد کا نام اُن کی زبان پر آتا تو فرط محبت میں مولانا پر رقت طاری ہو جاتی۔ اور آنکھیں بے اختیار پرنم ہو جاتیں۔ اور جس استاد سے انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم پائی تھی، اس پاک نفس بزرگ کے ارشادات کی تعمیل میں انہوں نے اپنی ساری زندگی جان جوکھوں میں کاٹی، وطن سے بے وطن ہوئے، پردیس میں مارے مارے پھرے، ذلتیں برداشت کیں، بھوکے رہے، کوڑی کوڑی کے محتاج ہوئے، اس استاد سے ان کی فریفتگی کا یہ حال تھا کہ آخر وقت میں بستر مرگ پر پڑے ہیں، اور جب جان لینے والا فرشتہ آکر دستک دیتا ہے تو انہیں اپنے مرحوم و مغفور استاد کے نام کو زندہ رکھنے کے سلسلے میں "یادگار شیخ الہند" اور "محمود نگر" کے متعلق تدبیروں میں مصروف پاتا ہے۔

کتاب و سنت کے مطالعہ و تحقیق سے اتنی وابستگی، اور ان کی تعلیم دینے والوں سے زندگی کی آخری ساعت تک اس قدر شیفتگی اور عقیدت —— یہ جانتے ہوئے کسی معترض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا یہ کہنا کون باور کرے گا کہ :-

"مولانا کی زبان و قلم پر تو بے شک کتاب و سنت کا ذکر آتا ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے دل اور دماغ "نعوذباللہ" کسی اور وادی میں بھٹک چکے تھے۔ اور وہ محض زمانہ سازی کے طور پر یا اپنی کسی مصلحت کے خیال سے کتاب و سنت کے ذیل میں اپنی باتیں کہا کرتے تھے۔"

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے متعلق جو شخص یہ کہتا ہے، سچی بات ہے وہ مولانا کے مزاج اور ان کی طبیعت سے بالکل ناواقف ہے۔ ورنہ اگر مولانا کی زندگی پر اس کی نظر ہوتی تو وہ بآسانی سمجھ لیتا کہ مولانا جیسی طبیعت والے آدمی کے لئے سالہا سال تک اس طرح کی دورخی زندگی گزارنا ناممکن تھا، اور نہ انہیں اس کی مطلق ضرورت تھی، وہ خدانخواستہ اگر کتاب و سنت کو خیرباد کہہ کر حقیقتہً دوسری وادی میں قدم رکھ چکے ہوتے، تو وہ اس کا کھلے بندوں اعلان کرتے اور اس کے صلے میں ایک دنیا ان کی پیشوائی کو آگے بڑھتی اور عظمت اور قیادت ان کے قدم چومنے کو حاضر ہوتی۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ہمارے خیال میں انہیں اس میں زیادہ دقت بھی نہ ہوتی، کیونکہ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر بچپن ہی میں دنیا کی سب سے بڑی متاع یعنی بیوہ ماں کی محبت، جاں نثار بہنوں کی عقیدت اور گھر کا آرام اور سکھ چھوڑ چکے تھے، اور اس کے بعد بھی بارہا اپنے ذہن اور عمل کی یک رخی کی خاطر انہوں نے بڑے بڑے مناصب سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، لیکن کیا یہ واقعہ نہیں کہ انہوں نے زندگی میں اشارۃً بھی کبھی کتاب و سنت سے اپنی ذرا سی بے تعلقی کا بھی اظہار نہیں فرمایا بلکہ اس کے خلاف ان کی زندگی کے آخری دنوں میں راقم السطور جب خدمت میں حاضر ہوا تو وصیت کے طور پر اسے فرمایا کہ

"قرآن کی محبت دل میں جاگزیں کرو، اسے اپنے فکر و عمل کا اساس بناؤ اور پھر زندگی کے مسائل کو سوچو، سمجھو اور ان کو سلجھاؤ۔ ہوا یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے پہلے تو قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جلدیں باندھیں، پھر اسے غلافوں میں
لپیٹا، ہم ان غلافوں کو چاک کرنا چاہتے
ہیں ہم ان جلدوں کو پھاڑ دیں گے
تاکہ قرآن جیسا وہ ہے لوگوں کے پاس پہنچے
اپنی اصل شکل میں بالکل واشگاف اور بے نقاب
لوگ اسے پڑھیں اور اپنی زندگی میں اسے
مشعل راہ بنائیں۔ "

اس کے باوجود اہل علم کا جو گروہ اس بات پر مصر ہو کہ مولانا کے انقلابی فکر اور ان کی انقلابی تعلیمات کی سند چونکہ ہم کتاب و سنت کے معالف میں نہیں پاتے اس لئے ہم مولانا کی دعوت کو اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں ــــ ان واجب الاحترام اہل علم کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ نے اور سب لوگوں نے دیکھا ہے کہ مولانا جو کچھ فرماتے اور لکھتے تھے اس میں ایک بات کا وہ بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ کتاب و سنت کے حوالے سے جو بات بھی کہتے اس کے ساتھ ہی یہ ضرور بتا دیتے کہ یہ نتیجہ میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی فلاں کتاب کی فلاں عبارت سے استنباط کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات کہتے جس کے لئے انہیں شاہ صاحب کی کتابوں سے سند نہ ملتی تو صراحت کر دیتے کہ یہ میرا ذاتی اجتہاد ہے، میں اس کے منوانے کے لئے مصر نہیں۔ جو چاہے مانے، اور جس کا جی چاہے نہ مانے ــــ ہمارے خیال میں ان حضرات کو اس بات سے تو شاید انکار نہ ہوگا کہ مولانا عبیداللہ صاحب شاہ ولی اللہؒ کے علوم اور ان کی حکمت میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ولی اللہی علوم ساری عمران کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا رہے۔ اس سلسلہ میں مجلہ الفرقان (بریلی) کے صفحات پر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا یہ ارشاد گرامی ہم نے دیکھا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ :۔

" مولانا سندھی کے مضمون کو میں نے بغور پڑھا
اور اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بے شک مولانا کی نظر حضرت
شاہ صاحب کے فلسفے اور نظریات پر نہایت وسیع ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے علاوہ الفرقان کی اسی اشاعت میں مولانا منظور صاحب نعمانی نے بھی مولانا کے متعلق کہا تھا: کہ مولانا کے مقالہ کے مطالعہ کے بعد اعلان کیا جا سکتا ہے :-

"...... ولی اللّٰہی حکمت پر مولانا سندھی کی نظر کس قدر گہری ہے، اور شاہ صاحب کے علوم و معارف کا انھوں نے کس قدر عمیق مطالعہ فرمایا ہے۔"

قارئین خود ہی انصاف فرمائیں کہ ان شہادتوں کے بعد کسی صاحب کا یہ کہنا کہ مولانا عبیداللہ شاہ صاحب کو سمجھ نہیں سکے یا انھوں نے جان بوجھ کر شاہ صاحب کی باتوں کا غلط مطلب لیا کس قدر ظلم ہوگا۔

اب اگر اہلِ علم کے گروہ میں سے کوئی صاحب یہ کہیں کہ ہم نے کتاب و سنت کو پڑھا ہے، اور شاہ صاحب کے علوم کا بھی احاطہ کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں قرآن کی انقلابی تعلیم اور شاہ صاحب کی انقلابی حکمت کا کہیں سر پتہ نہیں ملا۔ تو اس کے جواب میں مجبوراً یہ عرض کرنا پڑے گا کہ محترم بزرگو! پڑھنے پڑھنے میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ بے شک آپ نے یہ سب کچھ پڑھا، ہمیں اس سے مجال انکار نہیں۔ لیکن آخر اس سے بھی تو انکار نہیں ہو سکتا کہ مولانا نے بھی کتاب و سنت کو پڑھا تھا۔ اور انھوں نے جیسا کہ سب کو تسلیم ہے، شاہ صاحب کی حکمت پر برسوں غور کیا تھا ـــ اب سوال یہ ہے کہ مولانا اپنے مطالعہ و فکر کے ذریعہ جن نتائج اور حقائق تک پہنچے، آپ کیوں ان تک نہیں پہنچ سکے، تو اس ضمن میں ہماری صرف اتنی گزارش ہے کہ مثال کے طور پر آپ انسان کی نظر کو لیجئے۔ نظر کا کام دیکھنا ہے اور بالعموم ایک آدمی کی نظر دوسرے آدمی کی نظر سے اپنی طبعی خصوصیات میں زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ لیکن یہ تجربے کی بات ہے کہ ایک چیز کو ایک وقت میں دو آدمی دیکھتے ہیں، تو ایک خوشی اور انبساط سے بھر جاتا ہے، اور دوسرے پر درد و کرب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، بلکہ بسا اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی ایک وقت میں ایک چیز کو مرغوب اور دلکش پاتا ہے، اور دوسرے وقت میں یہی چیز اسے مکروہ لگتی ہے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ جب انسانی نظر جیسی مادی چیز کا یہ حال ہے کہ مختلف حالات و کوائف میں اس کے اثرات اس قدر مختلف ہو سکتے ہیں، تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایئے جب معاملہ ہو الگ الگ طبیعتوں کا، بدلتا ہوا خاندانی حالات کا، مختلف دور معاشرے کے احوال میں زمین آسمان کا فرق ہو اور بعض ایسے حالات سے دوچار ہوں کہ ایک آدمی [illegible] جنم لیا ہو، اسی میں اطمینان سے اپنی زندگی گزار دے — اور دوسرا ساری عمر زمانے کی طرح طرح کے انقلابات سے سابقہ پڑے۔ کیا اس صورت میں ان مختلف اشخاص کی معنوی زندگی میں بہت بڑا فرق نہیں ہوگا۔ اور یہ لوگ مشاہدہ اور نظر کی حد سے آگے بڑھ کر جب مطالعہ و فکر کی حدود میں داخل ہوں گے تو کیا یہ یقینی امر نہیں کہ ایک کی فکری جستجو اور قلبی بصیرت ایک ہی کتاب کے مطالعہ سے اس پر حقائق و معارف کی ایک وسیع دنیا بے حجاب کر دے اور دوسرے کی نظر الفاظ کے ٹھوس مفہوم سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ہماری تاریخ میں اب تک ایسا ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ایسا ہوتا رہے گا۔ اسلام کے مابعد الطبیعاتی مسائل میں یہ ہوا ہے، اور خود احکام کے فرق مراتب پر بھی اس کا اثر پڑا ہے۔ اسی بنا پر علم کلام کے مکتب خیال بنے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ متعدد فقہی مذاہب وجود میں آئے۔ حنابلہ نے تاویل کی مطلق ممانعت کر دی۔ بعض ائمہ نے تاویل کی مشروط اجازت دی۔ معتزلہ کا فرقہ پیدا ہوا، اشعریوں نے اپنا علم کلام بنایا۔ اور ماتریدی خیال والوں نے اپنا نظام فکر مرتب کیا۔ بے شک ان سب کا اساس کتاب و سنت تھا۔ اور سب نے "محکمات" ہی کو اپنے علم و فکر کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن ہر صاحب نظر کو اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق ہی دین کے اسرار اور حقائق معلوم کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

شاید بے محل نہ ہو، اگر ہم شاہ ولی اللہ صاحب کی سب سے مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" کے ابتدائی مقدمہ کی ایک عبارت کا ایک مختصر سا خلاصہ یہاں پیش کر دیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس سے مسئلہ زیر بحث کی زیادہ وضاحت ہو سکے گی۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:-

> علوم یقینیہ اور فنون دینیہ کا اصل الاصول علم حدیث ہے۔ یہی مشعل ہدایت ہے، اور اسی سے دین کی صحیح راہ ملتی ہے لیکن علم حدیث کے مختلف طبقے ہیں۔ اور ان کے متعدد مراتب ہیں اس علم کے چھلکے ہیں، جن کے اندر مغز ہیں اور صدف کے بجائے ہیں جن میں موتی ہیں۔ اس علم کو [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اصل منبع بھی بتایا۔ اس میں پہلا مرتبہ قرآن مجید
اور احادیث کا ہے، جن کو صحیح اور ضعیف، متواتر اور غریب
حدیث کی نظر سے اس علم پر بحث کرنے کے بیانات سے ظاہر
ہے اس علم کے باطن کی طرف جانے کا، اور چھلکے سے گودے
تک پہنچنے کا۔ دوسرا درجہ احادیث کی نقل اور معنوی
تشریح اور توضیح کا ہے۔ اس موضوع کو عربی زبان و ادب
میں دستگاہ رکھنے والوں نے خاص کر لیا۔ اس کے بعد
احادیث سے شرعی مسائل اور جزوی احکام استنباط کرنے کا
درجہ ہے اس کو عام علماء نے لب لباب اور حاصل مقصد سمجھا۔
اور محقق فقہا اس کی بحث میں لگ گئے، لیکن میرے نزدیک
حدیث کا بحیثیت مجموعی دقیق ترین علم جو اپنے معانی میں سب
سے عمیق، نور ہدایت میں سب سے ارفع اور شرعی علوم میں
سب سے افضل ہے، وہ اسرارِ دین کا علم ہے جس کی مدد سے
احکام دین کی حکمت معلوم ہو، ان کی حقیقت کا پتہ چلے اور نیز
اعمال کے خواص اور ان کے نکات کو سمجھا جائے۔ خدا کی قسم یہ ہے وہ
علم جس میں دوسرے سب علوم سے زیادہ آدمی اپنے قیمتی وقت
کو صرف کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن اطاعتوں کو ہم پر فرض کیا
ہے، ان کو ادا کرنے کے بعد اس علم کی تحصیل کو اپنی آخرت کے
لیے زادِ راہ بنائے!

صاحب اپنے طلبہ کو "حجۃ اللہ البالغہ" کی یہ عبارت پڑھاتے تو اس علم کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے
یہ فرمایا کرتے تھے کہ

ایک زمانہ میں مسلمانوں کی حکومت تھی، ان کی سیادت و
سلطنت کا دبدبہ تھا، ان کے بازوؤں میں قوت تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[illegible] اندازِ بیان میں پختگی تھی اور معنی [illegible]
تھی اور اس [illegible]
[illegible]
والی تحریر کی ضرورت ہے اس وقت زیادہ ضرورت ہوگی
لیکن آج فلسفہ ہی دوسرا ہے۔ نہ حکومت باقی رہی نہ سلطنت
کا وہ بند و بست ہے۔ جمعیت کبھی کی منتشر ہو چکی
[illegible] ہماری انفرادی اور اجتماعی
زندگی میں انتشار آخری حد تک پہنچ چکا ہے۔ اور اب
تو خود ہمارا دین اغیار کے نرغے میں ہے۔ اور اس پر ہر
طرف سے اعتراض کے حملے ہو رہے ہیں اور خطرہ یہ ہے
کہ جس طرح ہماری قومی جمعیت توڑ دی گئی ہے۔ اسی طرح خدا
نہ کرے کہیں ہمارے دین کو گزند نہ آ جائے۔
چنانچہ آج اس زمانے میں تو اصل علم کا سب سے اہم
فریضہ یہ ہے کہ ہم دین اسلام کی حکمتوں کو سمجھیں اور
غیروں کو ایک طرف رہے، خود اپنوں کو ان کے دین کی یہ
حکمتیں سمجھائیں، کیونکہ اب تو نوبت اس کی آ رہی ہے
کہ کہیں مسلمان خود ہی اسلام سے اکتا کر دل برداشتہ
نہ ہو جائیں۔

اتنا کہنے کے بعد موصوف تھوڑی سی توقف فرماتے۔ اور پھر رک رک کر آہستہ سے کہتے کہ:-
اس معاملے میں میرا اپنا حال یہ ہے کہ شاہ صاحب کے اس ارشاد
کے مطابق میں نے شروع زندگی سے فراغت کے بعد اسی
شعبۂ علم کی تحصیل اور اسی کے مطالعہ کو اپنی تمام محنت و جستجو
کا موضوع بنا رکھا ہے اور عمر بھر میری یہ کوشش رہی ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے اصول و قواعد کے اسرار غامض کو جو انسان کے حقائق
مقصود وجود کو بھی آگاہ کرتے ہیں

اسرار دین کی جستجو، اور احکام اسلام کی حکمت کی تلاش اسلاف کا امتیازی فکر رہا ہے۔ جہاں تک اس
وقت جذبے کی بے حد کی سمت اور ہم سمجھا۔ لیکن کہنے والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ

"ہم نے بھی اسرار دین کی جستجو کی ہے پر ہمارا منتہائے نظر
تو یہ ہے جس پہ لانا چاہئے بحث و تحقیق میں پہنچے"

سو بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی تو کیفیت یہ ہے کہ خیر سے مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوتے، ہوش سنبھالا تو ارد گرد سب کو ایک طرح زندگی گزارتے، اور ایک طرح سوچتے دیکھا۔ بڑے ہوئے تو دیکھا دیکھی باپ داداؤں کی روش پر چلنے لگے۔ آبائی علم پڑھا۔ پڑھ سے بڑھے کہ عادتیں سیکھیں خاندانی حالات سازگار ہوئے تو ساری زندگی ایک سی ڈھرے پر گزار دی، اور کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کہ اپنے خیالات اور عقائد و اعمال پر جرح کریں۔ اتفاق سے اگر کسی میں علم اور مطالعہ نے مذہبی جستجو کا شوق پیدا کیا، تو اس نے اپنے خاندانی عقائد و اعمال میں کرید شروع کر دی۔ اس کے بعد اکثر ایسا ہوا کہ وہ بحث و تحقیق میں تھوڑی دور پیچھے جا کر کسی عالم اور بزرگ کی تاریخی عظمت سے مطمئن ہو گئے اور ان کو اپنے افکار و خیالات میں اپنے خاندان سے باہر جانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑی لیکن اگر حوصلہ بلند ہوا اور ذہن کی کاوش نے زیادہ بے چین کیا تو فقہی تقلید کی جکڑ بندیوں سے نکل کر اہل حدیث میں جا ملے۔ اور ہمت کی تو فقہ اور حدیث دونوں سے دامن چھڑا لیا اور قرآن کو اپنا ملاذ مان کر دل کو تسکین دے لی۔ بے شک ان حضرات کے علم اور مطالعہ کی ہمارے دلوں میں کچھ کم قدر نہیں۔ لیکن معاف فرمایا جائے اگر ہم یہ عرض کریں کہ ان کی اس قبیل کی تحقیق اور تدقیق اکثر تقلیدی ہوتی ہے۔ ان کو آباؤ اجداد سے جو نظر ورثہ میں ملی تھی انہوں نے اسی نظر سے اپنے گرد و پیش کی دنیا کو دیکھا، اسی نظر سے اپنی تاریخ کا مطالعہ کیا، اور اپنے علوم و فنون کو بھی انہوں نے اسی نظر سے پڑھا۔ غرض کہ ان کی یہ ساری تگ و دو اور کاوش و جستجو اپنی محدود دنیا میں محصور رہی۔ یہ صحیح ہے کہ اس محدود نظر کے ساتھ اسلام اور تاریخ اسلام کے مطالعے سے جو نتائج برآمد ہوں گے ان کی حیثیت بالکل جدا ہو گی اس شخص کی بحث و تحقیق کے نتائج سے، جس کے ذہن میں سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے اسلام کا تصور آیا ہوتا تو اس شکل میں کہ کلمۂ اسلام کے پیش کردہ الٰہ کو مانتے ہوئے سب سے پہلے آلہۂ باطلہ کا انکار کرے۔ چنانچہ جب اس نے اسلام کا کلمۂ شہادت پڑھا ہوگا تو سب سے پہلے "لا الٰہ" کا اقرار کیا ہوگا جس سے اس کے ذہن میں تنبیہ ہوگی کہ "الا اللہ" کی راہ میں جہاں کہیں اس نے کسی "الٰہ" کو حائل پایا تو وہ "الٰہ" کو ترک کرنے کے بعد "الا اللہ" کی طرف بڑھا۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ "لا الٰہ الا اللہ" کے معنی جو ہونا چاہیے تھے ان لوگوں کے تصور توحید سے کتنے مختلف ہوں گے۔ جنہیں اپنی زندگی میں کبھی کسی "الٰہ" کو ترک کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کلمۂ توحید کے بارے میں مولانا فرمایا کرتے تھے کہ

"میرے نزدیک تو ایمان باللہ سے پہلے غیر اللہ کا انکار لازمی ہے
اور اس غیر اللہ کے انکار کی عملی جد و جہد کو ہی جہاد کہتا ہوں۔"

چنانچہ مولانا مسلمان ہوئے تو اسلام کا یہ مفہوم سمجھ کر مسلمان ہوئے کہ وہ عقیدے میں توحید خالص اور عمل میں جہاد کی تعلیم دیتا ہے۔

یہ توحید اور اس طرح کا جہاد مولانا کے نزدیک وہ اساس تھے اسلام کی تعلیمات کے۔ اور اسی اسلام کی کشش تھی جس نے بچپن میں ان سے گھر بار چھڑایا تھا اور اسی اسلام کو غالب میں عملی طور حاکم بنانے میں انہوں نے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ وہ خدانخواستہ اگر معاملہ دوسرا ہوتا اور بعض علمائے کرام جس قسم کے اسلام کو آج اپنے لئے سرمایۂ افتخار بنائے ہوئے ہیں، مولانا کو بھی اسی اسلام کی دعوت ملتی تو شاید وہ بھی بغداد کے اس یہودی کی طرح جس کو حضرت جنیدؒ کے زمانے میں اسی قسم کے دعوت دینے والوں نے مسلمان ہونے کو کہا تھا۔ یہی جواب دیتے کہ۔ معاذ اللہ! آپ حضرات سے تو میں غیر مسلم ہی اچھا ہوں۔

مولانا کے ان معترضین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حسن اتفاق یا سوء اتفاق سے مولانا کے حالات کچھ ایسے تھے کہ موصوف نے کتاب و سنت کو اپنے مخصوص خاندانی نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا اور پھر وہ بزرگوں کی تقلید میں مسلمان نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے خود تحقیق کی اور جب اسلام کو اپنے آبائی دین سے بہتر پایا تو مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد واقعات ایسے پیش آئے کہ ان کا مطالعہ صرف اپنی تاریخ اور خاص اپنے علوم تک محدود نہ رہا۔ اور مزید اتفاق یہ ہوا کہ ان کو زندگی میں

© rasailojaraid.com